21

اپنے اندر یہ روح پیدا کرو کہ تمہارا خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق قائم ہو جائے

(فرمودہ 20 جون 1952ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''آج رمضان کا آخری جمعہ ہے۔ یہ رمضان ایسے موقع کا رمضان ہے کہ 36 سال کے بعد ایسا سخت رمضان آئے گا۔ یعنی اس دفعہ رمضان عین اُن دنوں میں آیا ہے جو کہ سال کے سب سے بڑے دن ہوتے ہیں اور عین اُن دنوں میں روزے ہوئے ہیں جو کہ سال میں سب سے زیادہ گرم دن ہوتے ہیں۔ اس گرمی میں اُن لوگوں کو چھوڑ کر کہ جن کے قویٰ مضبوط ہیں اور جو اس گرمی میں وہ کام کرتے ہیں جس کا دوسرے لوگ خیال بھی نہیں کر سکتے۔ مثلاً مزدور ہیں وہ اس شدید گرمی میں لکڑیاں اینٹ اور گارا لاتے ہیں، معمار ہیں وہ اس چلچلاتی دھوپ میں کام کرتے ہیں ان کو چھوڑ کر کہ شاید وہ خدا تعالیٰ کی اَور قسم کی مخلوق ہیں باقیوں کا حال میں نے دیکھا ہے۔ گھر اور باہر ان کا ایک ہی حال ہے۔ مسجد میں مَیں نے دیکھا ہے لوگ گیلے تولئے اور گیلی چادر اوپر لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی حال گھروں میں ہے۔ ایک شخص غسل خانہ سے نکلتا ہے تو دوسرا غسل خانہ میں داخل ہوتا ہے۔ چارپائیوں پر لوگ پانی چھڑک چھڑک کر گزارہ کرتے ہیں۔ غرض اتنی شدید گرمی ہے اور اتنے لمبے دن ہیں کہ سال کے دوسرے دنوں میں اتنے شدید اور لمبے دن نہیں ہوتے۔ پھر ان شدید گرم اور لمبے دنوں میں جن لوگوں کو روزے رکھنے کی توفیق ملی ہے

یا اپنی معذوریوں اور مجبوریوں کے دن چھوڑ کر باقی دنوں کے روزے رکھنے کی توفیق انہیں ملی ہے اُن کی یہ عبادت 36 سال کی عبادتوں میں سے خاص عبادت ہے۔ درحقیقت یہ دن عام طور پر انسان پر ایک ہی دفعہ آتے ہیں۔ پندرہ سال کی عمر کو اگر بلوغت کی عمر سمجھ لیا جائے گو بلوغت کی اصل عمر 18 سال کی ہوتی ہے لیکن اگر اسے 15 سال ہی سمجھ لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس عمر کا انسان 32 سال کے بعد 47 سال کا ہوگا اور ہمارے ملک میں اوسط عمر 26 سال ہے۔ گویا انسانوں کا ایک خاصہ حصہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ اس عمر میں جا کر بالغ ہوں جبکہ یہ موسم گزر چکا ہو۔ مثلاً جبکہ وہ 13، 14 سال کے تھے تو اُن پر یہ موسم آیا اور جب وہ 17، 18 سال کے تھے تو یہ موسم گزر چکا تھا تو نصف کے قریب وہ لوگ نکلیں گے جن کو یہ روزے نصیب ہی نہیں ہوں گے۔ اور ایسے لوگ جن کو یہ روزے نصیب ہونگے اُن میں سے نصف وہ ہوں گے جن کو ایک دفعہ یہ روزے نصیب ہوں گے۔ اور نصف یعنی کُل آبادی کا چوتھائی حصہ وہ ہوں گے جن کو دو دفعہ یہ روزے نصیب ہوں گے۔ گویا ایک چوتھائی ایسے لوگ ہونگے جن کو عمر میں صرف ایک دفعہ یہ روزے نصیب ہوں گے۔ اور ایک چوتھائی ایسے لوگ ہوں گے جن کو عمر میں دو دفعہ یہ روزے نصیب ہوں گے۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ کروڑوں میں سے ایک انسان ہی ایسا ہوگا جس کو عمر میں تین دفعہ یہ روزے نصیب ہوں۔ کیونکہ 36 کو تین سے ضرب دیا جائے تو ایک سو آٹھ سال بنتے ہیں اور اگر ایک شخص پندرہ سال کی عمر میں جا کر بالغ ہوا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ 123 سال کی عمر پائے۔ اور پھر اسے ایسی غیر معمولی طاقت حاصل ہو کہ اس کے لئے ایسی شدید گرمی میں روزے رکھنے ممکن ہوں۔ تب وہ تین دفعہ یہ روزے رکھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کروڑوں اور اربوں میں ایسا کوئی ایک انسان ہی نکلے گا جو 123 سال کی عمر کو پہنچے اور پھر اس کے قویٰ بھی اتنے مضبوط ہوں کہ وہ ایسی شدید گرمی کے دنوں میں روزے رکھ سکے۔ کسی بڑے شہر میں بھی تلاش کیا جائے تو 123 سال کی عمر کا ایسا انسان شاید کوئی نہ نکلے گا جو روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہو۔

میں نے دو آدمی ایسے دیکھے ہیں جنہوں نے اس قدر عمر پائی ہے۔ ان میں سے ایک دوست گجرات کے تھے۔ وہ ایک دن مغرب کے بعد مجھے مسجد میں ملے اور کہا میں نے بیعت کرنی ہے۔ میں نے کہا آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ تو انہوں نے کہا میں لاہور سے آیا ہوں۔ میں نے کہا آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ تو انہوں نے کہا میں گجرات کا رہنے والا ہوں۔

لیکن اِس وقت لاہور سے آیا ہوں ۔ قادیان میں ابھی گاڑی نہیں آئی تھی بٹالہ سے گاڑی کے اوقات میں اِکّے آتے تھے۔لیکن جس وقت وہ میرے پاس آئے وہ اِکّوں کا وقت نہیں تھا۔ میں نے کہا آپ یہاں کب پہنچے ہیں؟ تو انہوں نے کہا میں ابھی یہاں پہنچا ہوں ۔ میں نے پھر کہا کہ اِکّوں کا تو یہ وقت نہیں آپ کیسے آئے ہیں؟ تو انہوں نے کہا میں پیدل آیا ہوں ۔ میں نے کہا کیا آپ بٹالہ سے پیدل آئے ہیں؟ تو انہوں نے کہا نہیں میں لاہور سے پیدل آیا ہوں ۔مَیں نے کہا آپ لاہور سے کب چلے تھے؟ تو انہوں نے کہا میں صبح لاہور سے چلا تھا۔ میرا اندازہ یہ تھا کہ اس وقت ان کی عمر پچاس سال کی ہے۔ میں نے کہا یہ عجیب بات ہے آپ کی پچاس سال کے لگ بھگ عمر ہے اور اتنا لمبا فاصلہ پیدل چل کر آپ آئے ہیں۔ انہوں نے کہا میری عمر پچاس سال کی نہیں ایک سو دس سال کی ہے۔ اب میں نے دل میں سوچا کہ یا تو یہ شخص جھوٹا ہے یا پاگل ہے۔ میں نے کہا آپ کہتے ہیں کہ میری عمر 110 سال کی ہے لیکن آپ 110 سال کے نظر نہیں آتے ۔ انہوں نے کہا عمر تو میری 110 سال کی ہی ہے ہاں بعض لوگوں کے قویٰ مضبوط ہوتے ہیں میرے قویٰ مضبوط ہیں۔ پھر انہوں نے بتایا میں جوان تھا اور میں ایک مولوی صاحب سے جو بزرگ مشہور تھے پڑھا کرتا تھا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ پشاور کی طرف حملہ کے لئے گیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ لڑائی خطرناک ہوگی اور شاید میں پٹھانوں سے عُہدہ برآ نہ ہوسکوں اس لئے وہ اس بزرگ کے پاس آیا جس سے میں پڑھا کرتا تھا اور کہا میں پشاور کی طرف جا رہا ہوں آپ میری کامیابی کے لئے دعا کریں۔ چنانچہ اُس نے میرے ایک استاد صاحب کو ایک بھینس بطور تحفہ دی اور انہوں نے وہ بھینس مجھے دی اور کہا کہ اسے نہلا کر لاؤ۔ اُس وقت میری عمر 18 سال کی تھی۔ میرے لئے یہ بات نہایت حیرت کی تھی۔ بہرحال انہوں نے بیعت کی اور چلے گئے۔ کچھ عرصہ تک ان کے متعلق کوئی پتا نہ لگا۔ ایک دفعہ اُس علاقہ کے ایک دوست سے ذکر ہوا۔ میں نے کہا میں خیال کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا یا حواس باختہ شخص تھا۔ انہوں نے کہا وہ شخص سچا تھا۔ وہ بیعت کرکے واپس گیا اور 128 سال کی عمر میں فوت ہوا ہے۔ گویا 17، 18 سال کے بعد وہ دوست فوت ہو گئے اور غالباً یہ ملاقات کا واقعہ 1915ء، 1916ء، یا 1917ء کا ہے۔ پس ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں لیکن یہ لوگ شاذ ہوتے ہیں۔

پس یہ دن خاص دن تھے اور اب یہ دن 36 سال کے بعد ہی آ سکتے ہیں۔جن لوگوں کی عمریں اب چالیس سال کے قریب ہیں چھتیس سال کے بعد یا تو وہ زندہ نہیں ہوں گے اور یا اس قابل نہیں ہوں گے کہ اتنے شدید گرم دنوں میں روزے رکھ سکیں کیونکہ 36 سال کے بعد ان کی عمر 76 سال کی ہوگی اور اس عمر میں بیشتر حصہ لوگوں کا یا تو مر چکا ہوتا ہے یا ان کے قویٰ اتنے مضمحل ہو جاتے ہیں کہ وہ روزہ رکھنے کے قابل نہیں رہتے۔ ہاں جو نوجوان ہیں اور ان کی عمر 17، 18 سال کی ہے اور انہیں اس سال روزے رکھنے کی توفیق ملی ہے ان کے لئے امکان ہے کہ وہ 36 سال کے بعد ان دنوں میں روزے رکھ سکیں کیونکہ 36 سال کے بعد ان کی عمر 53، 54 سال کی ہوگی۔

غرض یہ دن خاص تھے اور موسم نے انہیں اَور بھی خاص بنا دیا تھا۔ درحقیقت اس موسم کی شدت ایسی تھی کہ علاوہ روزوں کے انسانی دماغ بھی اس سے متاثر ہوئے ہیں۔ بسا اوقات بعض چیزوں کے نام بھی یاد نہیں رہتے کیونکہ شدتِ گرمی کی وجہ سے حواس پورے طور پر کام نہیں کرتے۔اَب غالباً تین دن اَور باقی ہیں بلکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اب صرف دو ہی دن باقی ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک چاند ایک دن بعد دیکھا گیا ہے۔اگر پہلی صورت ہے تو یہ مہینہ لازماً انتیس دن کا ہوگا اور اس لحاظ سے عید پیر کے دن ہوگی اور اگر چاند ایک دن بعد میں دیکھا گیا ہے اور گزشتہ مہینہ تیس دن کا تھا تو اٹھائیس روزوں کے بعد عید اتوار کو ہوگی۔اور اگر پہلا مہینہ انتیس دن کا تھا تو یا اتوار کو یا پیر کو عید ہوگی۔ یہ ساڑھے تین دن جو باقی ہیں (نصف دن جمعہ کا) ان میں ہمیں زیادہ سے زیادہ دعائیں کرنی چاہئیں۔

درحقیقت مذہب نام ہے روحانیت کا۔ مذہب قشر اور چھلکے کا نام نہیں۔ مذہب محبت کے اُس تعلق کو مضبوط کرنے کا نام ہے جو انسان کو خدا تعالیٰ سے ہے۔اگر انسان کو خدا تعالیٰ سے محبت نہیں تو ساری باتیں زبانی کھیل ہیں اور کچھ نہیں۔اگر انسان کو خدا سے محبت کا تعلق نہیں تو یہ نماز جو ہم پڑھتے ہیں، یہ روزے جو ہم رکھتے ہیں، یہ زکوٰۃ جو ہم دیتے ہیں، یہ حج جو ہم کرتے ہیں، یہ بنی نوع انسان کی خدمات جو ہم کرتے ہیں یہ چونکہ ساری کی ساری اظلال ہیں پس اگر اصل چیز ہے ہی نہیں تو ظل کہاں سے آئے گا۔اگر کسی کو ظل اچھا لگتا ہے تو لازماً وہ اصل کی طرف جائے گا۔تم کسی چیز کی تصویر دیکھتے ہو تو وہ تصویر تمہارے اندر کیا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ایک اچھی

تصویر تم دیکھو گے کہ وہ تمہارے اندر پسندیدگی کا جذبہ پیدا کرے گی بلکہ پسندیدگی کے جذبہ سے زیادہ تمہارے اندر یہ جذبہ پیدا ہوگا کہ تم اس چیز کو خود دیکھو۔ جب کوئی شخص سوئٹزرلینڈ، امریکہ اور انگلینڈ وغیرہ ممالک کے نظاروں اور اُن کی تہذیب کے نظاروں کی تصویریں دیکھتا ہے تو اُس کے اندر یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ یہ جگہیں خود جا کر دیکھے۔ غرض جب انسان اظلال کو دیکھتا ہے تو اس کی توجہ فوراً اصل کی طرف جاتی ہے۔ مثلاً وہ نماز پڑھتا ہے جو اُسے پسند ہے، وہ حج کرتا ہے جو اُسے پسند ہے، وہ زکوٰۃ دیتا ہے جو اُسے پسند ہے، وہ صدقہ و خیرات کرتا ہے جو اُسے پسند ہے، وہ قومی خدمات کرتا ہے جو اسے پسند ہیں اور قربانی اور ایثار کا نمونہ دکھاتا ہے جو اسے پسند ہے۔ تو یہ ساری چیزیں اظلال ہیں صفاتِ الٰہیہ کا۔ ان کی اور کوئی حیثیت نہیں۔ ان کی غرض محض یہ ہے کہ ان اظلال کو دیکھ کر اصل کی طرف توجہ اور رغبت ہو۔ ایک ایسی چیز جو فنا ہونے والی ہے جس کا حقیقی وجود کوئی نہیں وہ مقصود نہیں ہوسکتی۔ پس جب کہ حقیقت خدا تعالیٰ ہے جو دائمی ہے اور ازلی ابدی ہے تو ان اظلال سے اُس کی طرف جانے کی توجہ ہونی چاہیئے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کے دل میں خدا تعالیٰ پر یقین نہ ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اُسے کسی نہ کسی چیز پر یقین تو ہوتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نہیں تو کیا چیز باقی رہ جاتی ہے جس پر وہ یقین کرتا ہے۔ اگر ماحول، ابتدا اور آخر کو دیکھ کر کسی چیز کا وجود نظر نہیں آتا تو وہ سارا خیال اور وہم ہے۔ پس یا خدا تعالیٰ ہے یا سب کچھ محض وہم اور خیال ہے۔ اگر کسی شخص کو اظلال اصل چیز کی طرف توجہ نہیں دلاتے تو معلوم ہوا کہ اُس کے جذبات غیر طبعی ہیں۔ مثلاً اگر وہ کسی بڑے دریا کی تصویر دیکھتا ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ یہ کتنا بڑا دریا ہے جو چکر کھاتا ہوا دور تک نکل جاتا ہے، اس سے آبشاریں نکلتی ہیں اور وہ اسے نہایت پسند کرتا ہے لیکن اس کے اندر یہ خواہش پیدا نہیں ہوتی کہ وہ اس دریا کو اپنی شکل میں دیکھے تو اس کی پسندیدگی اور رغبت غیر طبعی ہے۔ اگر اس کی پسندیدگی اور رغبت طبعی ہوتی تو تصویر دیکھ کر اس کے دِل میں یہ خواہش پیدا ہو جاتی کہ کاش! اسے اصل چیز کو دیکھنے کا موقع مل جائے۔

بعض دفعہ ایک طبعی خواہش بھی حد سے گزر جائے تو عجیب معلوم ہونے لگتی ہے۔ ایک دوست جو ابھی زندہ ہیں اُن کی عادت تھی کہ جب کبھی اُن کے سامنے کسی چیز کا ذکر ہوتا اور انہیں کہا جاتا کہ چلو فلاں چیز دیکھیں مثلاً کوئی میچ ہے یا کوئی اَور نظارہ ہے اور انہیں کہا جاتا کہ چلو فلاں میچ یا نظارہ دیکھ آئیں تو طالب علمی کے وقت میں اُن کی طرف سے ہمیشہ یہ جواب ملتا تھا کہ وہ چیز

دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ ساری چیزیں جنت میں مل جائیں گی اور جب ساری چیزیں جنت میں مل جائیں گی تو یہاں دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ تھی تو یہ درست بات۔ لیکن یہ ایک طبعی جذبہ تھا جو حد سے نکل گیا تھا۔ ایک ماں اَور ماؤں سے زیادہ محبت کرتی ہے تو ہم کہیں گے یہ طبعی جذبہ ہے جو حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔ لیکن اگر ایک غیر ماں، ماں سے زیادہ محبت کرتی ہے تو ہم اُسے طبعی جذبہ نہیں کہتے بلکہ فریب یا فریبِ نفس کہتے ہیں۔ مثل مشہور ہے ''ماں سے زیادہ چاہے کٹنی کہلائے'' یعنی اگر ایک غیر ماں، ماں سے زیادہ محبت کرتی ہے تو وہ ٹھگ ہے۔ لیکن اگر ایک ماں دوسری ماؤں سے زیادہ محبت کرتی ہے تو ہم اُسے ٹھگ نہیں کہتے۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہے تو یہ طبعی جذبہ لیکن اس جذبہ کے اظہار میں یہ عورت حد سے گزر گئی ہے اور شاید بیمار ہے۔ گویا غیر طبعی جذبہ ٹھگی کہلاتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص کسی طبعی جذبہ میں حد سے گزر جاتا ہے تو وہ ٹھگی نہیں کہلاتا بلکہ ایسا ہونا اس کی بیماری کی علامت ہوتا ہے۔ پس محبتِ الٰہی کا جذبہ اگر غیر طبعی ہو جائے تو تمہاری جسمانی بیماری کی علامت تو کہلائے گا لیکن یہ تمہاری روحانی بیماری کی علامت نہیں ہوگا۔ لیکن اگر باوجود نماز، روزہ ادا کرنے کے خدا تعالیٰ کی محبت کا جذبہ تم میں پیدا نہیں ہوتا تو یہ تمہاری روحانی بیماری اور منافقت کی علامت سمجھا جائے گا۔

خدا تعالیٰ کی محبت، خدا تعالیٰ پر یقین اور وثوق پیدا کرنا اور اُسے ملنے کی کوشش کرنا ایک طبعی جذبہ ہے لیکن کتنے نوجوان ہیں جو ایسا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ فرمایا تھا اُس وقت ہر انسان کا ایک ہی مقصد تھا کہ وہ آپ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کو ملے گا۔ وہ لوگ آگے بڑھتے تھے کیونکہ ان میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ اگر کسی چیز نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دوسرے علماء پر امتیاز دیا ہے تو وہ یہی چیز ہے کہ آپ کی پیروی کرنے سے خدا ملتا ہے۔ مسائل دوسرے علماء بھی جانتے ہیں۔ اگر آپؑ کی وجہ سے کوئی فرق پیدا ہوا ہے تو وہ یہی ہے کہ آپ کی پیروی سے خدا تعالیٰ سے ملتا ہے۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ خدا تعالیٰ کو ملنے کا دروازہ کھلا ہے بند نہیں۔ لیکن اب کتنے نوجوان ہیں جو خدا تعالیٰ کو ملنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جتنا وقت دور ہوتا جاتا ہے لوگوں سے یہ خواہش مٹتی جاتی ہے حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ ہمت اور کوشش سے اس جذبہ کو ابھارا جاتا۔ اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آنا بھی بیکار ہے۔

پس ان دنوں میں دعائیں کرو۔ نوجوان اپنے اندر یہ روح پیدا کریں کہ خدا تعالیٰ کا زندہ تعلق حاصل ہو جائے۔ پہلے اگر ایک شخص جاتا تھا جسے خدا تعالیٰ سے تعلق ہوتا تھا تو اُس کی جگہ کئی اَور پیدا ہو جاتے تھے۔ بجائے اِس کے کہ تم یہ کہو کہ اب ایسا کوئی شخص نہیں جس کا تعلق خدا تعالیٰ سے ہو یا جسے الہام ہوتا ہو تم خود کوشش کرو کہ اگر ایک ایسا شخص مر جائے تو 20 اَور ایسے آدمی پیدا ہو جائیں۔ اور اگر 20 آدمی مر جائیں تو 200 اَور ایسے آدمی پیدا ہو جائیں۔ اگر 200 آدمی مر جائیں تو 20 ہزار اَور ایسے آدمی پیدا ہو جائیں۔ یہ چیز ہے جو تمہارے حوصلوں کو بڑھائے گی اور دنیا کو مایوس کر دینے والی ہوگی۔ دنیا مادی ہتھیاروں کی طرف دیکھتی ہے۔ اگر ہزاروں لوگ ایسے پیدا ہو جائیں جو خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے والے ہوں۔ خدا تعالیٰ کے نشانات دیکھنے والے ہوں، خدا تعالیٰ پر یقین رکھنے والے ہوں اور اس کا ظہور اپنی ذات میں محسوس کرنے والے ہوں تو دوسرے لوگ خود بخود مایوس ہو جائیں گے۔ کیونکہ دوسرے لوگ قصے سناتے ہیں اور یہ لوگ آپ بیتی سنائیں گے۔ اور جگ بیتی آپ بیتی جیسی نہیں ہوتی۔ جب ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جن کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہوگا تو جگ بیتی بھاگ جائے گی اور آپ بیتی غالب آ جائے گی کیونکہ سُنی سنائی بات دیکھی ہوئی بات پر غالب نہیں آ سکتی۔''

(الفضل 8 جولائی 1952ء)